اس میں کچھ نکتہ ہو یا نہ ہو۔ مگر جو عورت کبھی ان معاملات کے قریب نہیں گئی۔ اس کی قانونی گرفت واقعی حیرت انگیز تھی۔ یہ اس دھن کی برکت تھی۔ جو اس وقت بھان کنور کے سر پر سوار تھی۔ خلاصہ یہ کہ کاغذات کی جانچ ہوئی۔ ثبوت بہم کیے گئے۔ اور استغاثہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔

(۴)

منشی ست نرائن لال غصّہ میں بھرے ہوئے مکان پر پہنچے۔ لڑکے نے مٹھائی کے لیے ضد کی۔ اسے پیٹا۔ بیوی پر اس لیے برس پڑے۔ کہ اس نے کیوں لڑکے کو رلایا۔ اپنی بوڑھی ماں کو ڈانٹا۔ تم سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکے کو بہلاؤ۔ اب میں گھر پر آؤں تو بیٹھ کر لڑکے کو کھلاؤں مجھے دنیا میں نہ اور کوئی کام ہے، نہ اور کوئی فکر۔ اس طرح گھر میں ایک طوفان برپا کر کے وہ باہر آئے۔ اور سوچنے لگے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں بھی کیسا احمق ہوں۔ اتنے دنوں تک سارے کاغذ اپنے ہاتھ میں تھے۔ جو چاہتا تھا کر سکتا تھا۔ مگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا۔ آج جب سر پر آپڑی تو سوجھی۔ میں چاہتا تو نئے بہی کھاتے بنا سکتا تھا۔ جس میں اس گاؤں کے روپے کا خرچہ کا ذکر ہی نہ ہوتا۔ افسوس! گھر میں آئی ہوئی لکشمی میری حماقت اور ناعاقبت اندیشی کی بدولت اٹھی جاتی ہے۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا۔ کہ وہ شیطان کی خالہ اس طرح مجھ سے پیش آئے گی۔ کہ کاغذات کو ہاتھ تک نہ لگانے دے گی۔

اسی ادھیڑبن میں پڑے پڑے یکایک منشی جی اچھل پڑے۔ ایک ترکیب سوجھ گئی۔ کیوں نہ کارپردازوں کو ملا لوں۔ وہ سب کے سب میری سخت گیریوں کی بدولت مجھ سے ناراض تھے۔ اس وقت سیدھے منہ مجھ سے بات نہ کریں گے۔ میں ان

میں ایسا تو کوئی نہیں ہے۔ جو زر سے بے نیاز ہو۔ ہاں اس میں حرفِ کثیر کی ضرورت ہو گی۔ مگر اتنا روپیہ آئے گا کہاں سے۔ کاش ذرا پہلے چیت گیا ہوتا۔ تو یہ سب دقتیں ایک بھی نہ ہوتیں۔ بس ایک ہی ترکیب ہے۔ کسی طرح دو کاغذات غائب کر دوں۔ خطرناک معاملہ ہے۔ پر کرنا ہی پڑے گا۔

نفس کے سامنے ایک بار سر جھکانے کے بعد پھر سنبھلنا مشکل ہوتا ہے۔ گناہ کی اتھاہ ندی میں ایک بار پھسل کر ہم دم بہ دم پیچھے ہی ہوتے جاتے ہیں۔ منشی ست نرائن لال جیسا نیک آدمی اس وقت اس فکر میں تھا کہ کیونکر سیند لگاؤں۔ گناہ کی غذا گناہ ہے۔ منشی جی نے سوچا کیا سیند لگانا آسان ہے؟ اس میں کتنی ہمت، کتنی ہوشیاری، کتنی پھرتی اور صفائی کی ضرورت ہے۔ کون کہتا ہے کہ چوری آسان کام ہے۔ اور کہیں اگر پکڑا گیا، تو پھر بجز ڈوب مرنے کے اور کوئی علاج نہیں۔ منشی جی کو کسی طرح یقین نہیں آتا تھا۔ کہ وہ اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔ ہاں ایک ترکیب اس سے آسان نظر آئی۔ کیوں نہ دفتر میں آگ لگا دوں۔ ایک بوتل مٹی کے تیل اور ایک دیاسلائی کی ضرورت ہے۔ کسی بدمعاش کو ملا لوں۔ اس کی مدد سے کام ہو سکتا ہے۔ مگر یہ کیا معلوم کہ وہ بھی اس کمرہ میں رکھی ہے یا نہیں۔ اس چڑیل نے ضرور اسے اپنے پاس رکھا ہو گا۔

منشی جی اسی ادھیڑبن میں کروٹیں بدلتے رہے۔ نئے نئے منصوبے سوچتے مگر پھر اپنی ہی دلیلوں سے انہیں مٹا دیتے۔ جیسے برسات میں آسمان پر بادلوں کی نئی نئی صورتیں بنتی اور پھر ہوا کے زور سے بگڑ جاتی ہیں۔

لیکن یہ خیال دل سے کسی طرح دور نہ ہوتا تھا۔ کہ ان کاغذات کو اپنے ہاتھ

میں لانا چاہیے۔ یہ کام کٹھن ہے۔ مانا، پر ہمت نہ تھی۔ تو راڑ کیوں مول لی تھی؟ کیا کسی کی ۲۰ ہزار کی جائداد آسانی سے ہاتھ آجائے گی؟ خواہ کسی صورت سے ہو۔ چور بنے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ آخر جو لوگ یہ کام کرتے ہیں۔ وہ بھی تو آدمی ہی ہوتے ہیں۔ بس ایک چھلانگ کا کام ہے۔ اگر پار ہو گئے، تو راج کریں گے۔ اگر گر پڑے تو جان سے ہاتھ دھوئیں گے۔

اس طرح منشی ست نرائن نے اپنا دل مضبوط کیا۔

(۵)

رات کے دس بج گئے تھے۔ منشی ست نرائن لال کنجیوں کا ایک گچھا کمر میں دبائے گھر سے باہر نکلے۔ دروازے پر تھوڑے سے پیال رکھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی وہ چونک پڑے۔ مارے خوف کے کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ کوئی آدمی چھپا بیٹھا ہے۔ ان کے قدم رک گئے۔ پیال کی طرف غور سے دیکھا اس میں مطلق حرکت نہ ہوئی۔ تب ہمت بندھ گئی۔ آگے بڑھے اور دل کو سمجھانے لگے میں کیسا احمق ہوں۔ اپنے دروازہ پر کس کا خوف۔ راستہ ہی میں مجھے کس کا خوف ہے۔ میں اپنی راہ جاتا ہوں۔ کوئی میری طرف ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا ہاں جب مجھے کوئی عین موقع پر پکڑ لے تو البتہ، دفعتہً انہوں نے بھان کنور کے ایک چپراسی کو آتے دیکھا۔ کلیجہ سن سے ہو گیا۔ وہ لپک کر ایک اندھیری گلی میں گھس گئے۔ اور ہاں بڑی دیر تک کھڑے رہے۔ جب وہ سپاہی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو پھر سڑک پر آئے۔ سپاہی آج صبح تک ان کے حکم کا غلام تھا اسے انہوں نے بار گالیاں دی تھیں۔ لاتیں بھی ماری تھیں۔ مگر آج اس کی صورت دیکھ کر ان کی روح فنا

ہوگئی۔

انہوں نے پھر دلیل کی پناہ لی۔ میں جیسے بھنگ کھا گیا ہوں۔ اس چیڑ اسی سے اتنا ڈرا۔ بالفرض وہ مجھے دیکھ ہی لیتا تو میرا کیا کر سکتا تھا؟ ہزاروں آدمی راستہ پر چل رہے ہیں۔ انہیں میں ایک میں بھی ہوں۔ کیا وہ سب کے دلوں کا حال دیکھتا نکلا ہے؟ غالباً مجھے دیکھ کر وہ ادب سے سلام کرتا۔ اور کچھ دور تک میرے ساتھ چلتا۔ عجب نہیں کہ آج وہاں کی داستان بیان کرتا۔ بس طرح دل کو مضبوط کر کے وہ پھر آگے بڑھے۔ یہ شاید سچ ہے کہ گناہ کے قابو میں آیا ہوا دل خزاں کا مارا ہوا پتا ہے۔ جو ہوا کے جھونکے میں گر پڑتا ہے۔ بازار میں پہنچے، زیادہ تر دکانیں بند ہو چکی تھیں۔ ان میں گانڈا اور گائیں بیٹھے ہوئے رمز و کنائے کر رہے تھے۔ صرف حلوائیوں کی دکانیں کھلی تھیں۔ اور کہیں کہیں ایک آدھ گجرے والے ہار کی ہانک لگاتے پھرتے تھے۔ یہ حلوائی منشی جی کو پہچانتے تھے۔ مگر منشی جی نے سر نیچا کر لیا۔ کچھ رفتار تبدیل کی۔ اور لپکتے ہوئے چلے، دفعتہً ایک بگھی آتی ہوئی دکھائی دی انہوں نے اسے پہچان لیا۔ یہ بلبھ داس سیٹھ وکیل کی بگھی تھی۔ اس میں بیٹھ کر وہ ہزاروں بار سیٹھ جی کے ساتھ کچہری گئے تھے۔ پر آج یہ انہیں کالے دیو کی طرح خوفناک معلوم ہوئی۔ انہوں نے رُخ پھیر لیا۔ اور بھاگ کر ایک خالی دکان پر چڑھ گئے۔ سانڈ نے سمجھا کوئی نیا رقیب پیدا ہوا ہے۔ سینگ جھکائے پھنکارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پر اس اثنا میں بگھی نکل گئی۔ منشی کی جان میں جان آئی اب کے انہوں نے دلیلوں سے دل کو نہ سمجھایا۔ سمجھ گئے کہ اس وقت اس سے کوئی سود نہیں۔ خیریت ہوگئی کہ وکیل نے دیکھا نہیں۔ ورنہ ایک ہی گھاگ ہے۔ میرے

بشرے سے تاڑ جاتا۔ ایک فرلانگ چل کر ایک گلی ملی۔ یہی بھان کنور کے مکان کا راستہ تھا۔ ایک دھندلی سی لالٹین روشن تھی۔ جیسا منشی جی نے قیاس کیا تھا۔ پہردار کا پتہ نہ تھا۔ اصطبل میں چماروں کے یہاں ناچ ہو رہا تھا۔ کئی چمارنیں بناؤ سنگار کر کے ناچ رہی تھیں۔ چمار مردنگ بجا بجا کر گاتے تھے۔

گھر پے نہیں ہائیں شیام گھیر آئے بدرا

اور دونوں پہرہ دار وہاں تماشا دیکھ رہے تھے۔ منشی جی کے کلیجہ میں دھڑکن تھی۔ سر دھم کرتا تھا۔ ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ سانس پھول رہی تھی۔ بدن بدن کا ایک ایک رویاں آنکھ اور کان بنا ہوا تھا۔ ان کی ساری طاقت اور چستی اور اوسان اور حواس اور احتیاط اس وقت ارادہ کی مدد پر مستعد تھیں۔

منشی جی بلی کی طرح دبے پاؤں لالٹین کے پاس گئے۔ اور جس طرح وہ چوہے پر جھپٹتی ہے۔ اسی طرح انہوں نے جھپٹ کر اس کا پٹ کھولا۔ اور اسے گل کر دیا ایک مرحلہ طے ہو گیا۔ مگر جتنا سمجھتے تھے اتنا مشکل نہ تھا۔ دل کچھ مضبوط ہوا۔ دفتر کے برآمدے میں پہنچے۔ اور ایک لمحہ تک خوب کان لگا کر آہٹ لی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔ صرف چماروں کے گانے کی آواز کان میں آتی تھی۔ دروازہ پر وہی پرانا قفل تھا۔ اس کی کنجی آج بہت تلاش کر کے بازار سے خرید لائے تھے۔ قفل کھل گیا۔ کواڑوں نے بہت ہی دبی زبان سے صدائے احتجاج بلند کی۔ منشی جی دفتر میں داخل ہوئے۔ ان کے اعضاء میں اس وقت بندر کی سی پھرتی اور چستی تھی۔ اندر چراغ جل رہا تھا۔ منشی جی کو دیکھ کر اس نے ایک بار سر ہلایا۔ گویا انہیں اندر آنے کی ممانعت کی۔

منشی جی کے پیر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ایڑیاں زمین سے اُچھلی پڑتی تھیں۔ سانس سینہ کو پھوڑ کر نکلنا چاہتا تھا۔ گناہ کا اتنا سنگین بار انکی برداشت سے باہر تھا۔

پَل بھر منشی جی نے بیتوں کو الٹا پلٹا، ان کی تحریر آنکھوں میں تیرتی نہ تھی۔ انتخاب کی مہلت نہ تھی۔ انہوں نے کاغذات کا ایک پشتارہ باندھا۔ اور بغل میں دبا کر تیر کی طرح کمرے سے باہر نکل آئے۔ دروازہ کو آہستہ سے بند کیا۔ اور اس باپ کی گٹھری کو لیے ہوئے اندھیری گلی میں غائب ہو گئے۔

تنگ اندھیری متعفن گلیوں میں وہ برہنہ پا تیزی سے قدم بڑھائے ہوئے اس طمع خود غرضی بے وفائی اور دغا کا بار گراں لیے ہوئے چلے جاتے تھے۔ گویا گناہوں سے لدی ہوئی روح دوزخ کی نالیوں میں بہی جاتی تھی۔

بہت دیر تک بھٹکنے کے بعد وہ گنگا کے کنارے پہنچے۔ جس طرح تاریک دلوں میں کہیں کہیں ایمان کی دھندلی روشنی چھپی رہتی ہے۔ اسی طرح ندی کی سیاہ اور ساکت سطح پر تارے جھلملا رہے تھے۔ کنارے پر چند سادھو دھونی رمائے ہوئے تھے۔ شعلۂ حقیقت دل کی بجائے باہر دہک رہا تھا۔ منشی جی نے اپنا پشتارا اتارا۔ اور چادر میں لپیٹ کر اسے ندی میں پھینک دیا۔ سوئی ہوئی لہروں میں کچھ ہلچل ہوئی۔ اور سناٹا ہو گیا۔

(۶)

منشی ست نرائن لال کے گھر میں ان کی ماں اور بیوی دو عورتیں تھیں۔ تاہم منشی جی کو گنگا میں ڈوب مرنے یا کہیں بھاگ جانے کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں

عورتیں تعلیم سے بے بہرہ تھیں۔ نہ وہ باڈیز پہنتی تھیں۔ نہ موزے، نہ ہارمونیم پہ گا سکتی تھیں۔ یہاں تک کہ انہیں صابن کے استعمال تک کا علم نہ تھا۔ وہ بالوں میں ہیئر پن (Hair Pin) لگانا تک نہ لگانا جانتی تھیں۔ بہو میں اپنی عزت کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ نہ ساس میں خودداری کی اسپرٹ، بہو اب تک ساس کی گھرکیاں بھیگی بلّی کی طرح سہہ لیتی تھی۔ ساس کو بچوں کے نہلانے دھلانے حتیٰ کہ گھر میں جھاڑو دینے تک سے عار نہ تھا۔ بہو عورت کیا مٹی کا لوندا تھی۔ ایک پیسہ کی بھی ضرورت ہو تو ساس سے مانگتی۔ غرض دونوں عورتیں اپنے حقوق سے بے خبر جہالت کی تاریکی میں پڑی ہوئی جانوروں کی طرح زندگی کے دن کاٹتی تھیں۔ ایسی پھوہڑ تھیں۔ کہ دل موٹ، سموسے وغیرہ بھی گھر ہی میں بنا لیتی تھیں۔ اپنے ہی ہاتھوں سے کتنی ہی جسمانی شکایتوں کا علاج بھی کر لیتی تھیں۔ بیٹھی گھاس پات کوٹا کرتی تھیں۔ منشی جی نے ماں کے پاس جا کر کہا۔ "اماں! کچھ روپیہ نکالو۔ مجھ سے بھان سے ان بن ہو گئی۔ کل انہوں نے مجھے بے قصور الگ کر دیا۔ ماں نے چونک کر پوچھا: "الگ کر دیا! کیا بات ہوئی؟ بھان کنور کا مزاج تو ایسا نہ تھا۔"

منشی۔ بات کچھ نہیں تھی۔ میں نے اپنے نام سے جو موضع لیا تھا۔ اُسے مَیں نے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ کل مجھ سے اُن سے صاف صاف باتیں ہوئیں مَیں نے کہہ دیا۔ کہ گاؤں میرا ہے۔ مَیں نے اپنے نام سے لیا ہے۔ اس سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں بس جائداد سے باہر ہو گئیں۔ جوجی میں آیا بکتی رہیں۔ اسی وقت مجھے نکال دیا، اور کہا میں تم سے لڑ کر اپنا گاؤں لے لوں گی۔ اب آج ان کی طرف سے میرے اوپر مقدمہ دائر ہو گا۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ میرا اس پر قبضہ ہے۔ ایک نہیں ہزار

مقدمے چلائیں، ڈگری میری ہو گی۔

ماں نے بہو کی طرف دیکھا۔ بہو نے ماں کی طرف تاکا۔ ماں بولیں "کیوں بھیا؟ وہ گاؤں تو تم نے انہیں کے روپے سے انہیں کے لیے لیا تھا؟"

منشی - لیا تھا تب لیا تھا۔ اب مجھ سے ایسا آباد زرخیز گاؤں نہیں چھوڑا جاتا وہ میرا کچھ نہیں کر سکتیں۔ اپنے روپیہ کی وصولیابی کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتیں۔ ڈیڑھ سو گاؤں تو ہیں۔ تب بھی ہوس نہیں مانتی۔

ماں - بیٹا کسی کے دھن ہوتا ہے۔ تو وہ اسے پھینک تھوڑا ہی دیتا ہے۔ تم نے اپنی نیت خام کی۔ یہ اچھا نہیں کیا۔ دنیا تم کو کیا کہے گی؟ اور دنیا چاہے، کچھ کہے یا نہ کہے۔ بھلا تم کو ایسا چاہیے۔ کہ جس کی گود میں اتنے دن پلے۔ جس کا اتنے دنوں تک نمک کھایا۔ اب اسی سے دغا کرو۔ نارائن نے تمہیں کیا نہیں دیا ہے؟ مزے سے کھاتے ہو، پہنتے ہو۔ گھر میں نارائن کا دیا چار پیسے ہیں، بال بچے ہیں۔ اور کسی کو کیا چاہیئے؟ میرا کہنا مانو، یہ کلنک کا ٹیکا اپنے ماتھے نہ لگاؤ۔ یہ اجس مت لو۔ برکت اپنے ہی پسینہ کی کمائی ہوتی ہے۔ حرام کی کوڑی کبھی نہیں پھلتی۔

منشی - یہ سب باتیں پوتھی کے بیگن ہیں۔ دنیا ان پر چلنے لگے۔ تو سارا انتظام بگڑ جائے۔ میں نے اتنے دنوں ان کی خدمت کی۔ ایسے ایسے چار پانچ گاؤں میری ہی بدولت بڑھ گئے۔ جب تک پنڈت جی زندہ تھے۔ میری نیت کی قدر کی۔ آنکھ میں دھول ڈالنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ خود ہی میری خاطر کر دیا کرتے انہیں مرے ہوئے آٹھ سال ہو گئے۔ مگر مسماۃ کے ایک بیڑے پان کی بھی قسم کھاتا ہوں۔ میری ذات سے ان کی ہزاروں روپے ماہوار کی بچت ہوتی تھی۔ کیا ان

کو اتنی سمجھ نہیں تھی۔ کہ یہ شخص جو اتنی ایمانداری سے میرا کام کرتا ہے۔ اس نفع میں کچھ اس کا بھی حق ہے یا نہیں۔ حق کہہ کر نہ دو۔ انعام کہہ کر دو کسی طرح دو تو مگر وہ سمجھی تھیں۔ کہ میں نے اسے دس روپے مہینہ پر مول لے لیا ہے۔ میں نے آٹھ سال تک صبر کیا۔ اب کیا دس روپے میں زندگی بھر غلامی کیا کروں۔ اور اپنے بچوں کو دوسروں کا منہ تاکنے کے لیے چھوڑ جاؤں؟ مجھے یہ موقع ملا ہے۔ اسے کیوں چھوڑوں؟ زمینداری کی ہوس لیے کیوں مروں؟ جب تک زندہ رہوں گا۔ خود کھاؤں گا۔ میرے بعد میرے بچے چین اڑائیں گے۔" ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بولیں" بیٹا! میں نے تمہارے منہ سے ایسی باتیں کبھی نہ سنی تھیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہارے آگے بال بچے ہیں۔ آگ میں ہاتھ نہ ڈالو" بیوی نے ساس کی طرف دیکھ کر کہا۔" ایسا دھن نہ چاہیئے۔ ہم اپنی روٹی دال میں خوش ہیں"۔

منشی۔ اچھی بات ہے۔ تم لوگ روٹی کھانا، گزی گاڑھا پہننا مجھے اب حلوے پوری کی خواہش ہے۔

ماں۔ یہ ادھرم مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔ میں گنگا میں ڈوب مروں گی۔

بیوی۔ تمہیں یہ کانٹے بونا ہے۔ تو مجھے میکے میں پہنچا دو۔ میں اپنے بچوں کو لے کر اس گھر میں نہ رہوں گی۔

منشی نے جھنجلا کر کہا۔" تم لوگوں کی عقل تو بھنگ کھا گئی ہے۔ یہ سب سرکاری ملازم رات دن دوسروں کا گلا دبا دبا کر رشوتیں لیتے ہیں۔ اور چین کرتے ہیں۔ نہ ان کے بال بچوں ہی کو کچھ ہوتا ہے نہ ان کو، ادھرم ان کو کیوں نہیں کھا جاتا۔ جو مجھ ہی کو کھا جائے گا۔ میں نے تو ایمانداروں کو ہمیشہ تکلیف ہی میں دیکھا۔ میں

نے تو جو کیا ہے۔ اس کا سکھ اٹھاؤں گا۔ تم لوگوں کے جی میں جو آئے کرو۔

(۷)

صبح کے وقت بھان کنور کا دفتر کھلا تو کاغذات سب غائب تھے منشی چھکن لال بدحواس گھر میں گئے۔ اور مالکہ سے پوچھا، کاغذات کیا آپ نے اٹھوالئے ہیں؟ بھان کنور نے کہا: "مجھے کیا خبر، جہاں آپ نے رکھے ہوں گے، وہیں ہوں گے۔ دم کے دم میں سارے گھر میں طوفان مچ گیا، پہرہ داریوں پر مار پڑنے لگی۔ بھان کنور کو معاً ست نرائن لال پر شبہ ہوا۔ مگر ان کے خیال میں چھکن لال کی مدد کے بغیر یہ کام ہونا غیر ممکن تھا۔ پولیس میں رپٹ ہوئی۔ ایک اوجھا نام نکالنے کے لیے بلایا گیا۔ مولوی صاحب نے ترجمہ پھینکا۔ اوجھا نے بتلایا کسی پرانے دشمن کا یہ کام ہے مولوی صاحب نے بتلایا کسی گھر کے بھیدی نے یہ حرکت کی ہے۔ شام تک یہی دوڑ دھوپ رہی۔ اور تب یہ صلاح ہونے لگی۔ کہ ان کاغذات کے بغیر مقدمہ کیونکر چلے گا۔ روداد پہلے ہی کمزور تھی۔ جو کچھ سہارا تھا، انہیں اندراجات کا تھا۔ جو خود منشی ست نرائن لال نے کیے تھے۔ اب تو وہ ثبوت بھی ہاتھ سے گئے۔ دعویٰ میں کچھ جان ہی نہیں باقی رہی۔ مگر بھان کنور نے مقدمہ دائر کرنے پر زور دیا۔ بلا سے ہار جائیں گے۔ ہماری چیز کوئی دوسرا چھین لے تو ہمارا دھرم ہے۔ کہ اس چیز کو واپس لینے کے لیے اپنے قابو بھر لڑیں۔ ہار مان کر بیٹھ رہنا بزدلوں کا کام ہے۔ سیٹھ جی وکیل کو اس سانحہ کی اطلاع دی گئی۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ مقدمہ بالکل بے جان ہو گیا۔ صرف عقلی اور قیاسی دلیلوں پر دار و مدار ہے۔ عدالت نے تسلیم کیا تو کیا، ورنہ ہار ناپڑے گا۔ یہ بھان کنور کو ضد تھی۔ کہ مقدمہ

ضرور دائر ہو۔ لکھنؤ اور الہ آباد سے دو بلند بانگ بیرسٹر بلائے گئے۔ اور ایک ہفتہ کے اندر استغاثہ دائر ہو گیا۔

سارے شہر میں اس مقدمہ کی دھوم تھی۔ کتنے ہی رؤسا کو بھان کنور نے شہادت میں طلب کیا تھا۔ دلچسپی کا خاص سبب یہ تھا۔ کہ بھان کنور خود بھی پردہ کی آڑ میں بیٹھی ہوئی روداد سنتی تھی۔ کیونکہ اسے اب اپنے مختاروں اور ملازموں پر بھروسہ نہ تھا۔

استغاثہ کے بیرسٹر نے ایک مدلل اور مؤثر تقریر کی۔ اس نے منشی ست نرائن لال کی سابقہ دیانت اور خلوص نیت اور ان پر پنڈت بھرگودت کے کامل اعتماد کا ذکر کیا۔ بعدازاں یہ دکھایا کہ مدعا علیہ کی مالی حالت ہرگز ایسی نہ تھی۔ جسے اتنے صرفِ کثیر کی متحمل ہو سکتی۔ آخر میں اس نے منشی جی کی دغا اور بدعہدی پر ایسے رقت آمیز پیرایہ میں بحث کی کہ سامعین کی آنکھیں پرآب ہو گئیں۔ "کتنے افسوس اور عبرت کا مقام ہے۔ کہ ایسا وفادار آقا پرست آدمی رفتہ رفتہ اتنا گر جائے۔ کہ اس کی بے کس بیوہ اور یتیم بچوں کی گردن پر چھری پھیرنے سے باز نہ آئے۔ جن کا نمک ان کی ہڈیوں میں پیوست ہو گیا ہے۔ انسانی خباثت اور کجروی کی اس سے زیادہ عبرت ناک مثال نہیں مل سکتی۔ نتائج کے اعتبار سے دیکھئے تو اس شخص کی سابقہ دیانت اور وفا کی وقعت بالکل نہیں باقی رہتی۔ کیونکہ وہ جواہر نہ تھے۔ بلکہ سنگریزے تھے۔ جو محض اپنا اعتماد قائم کرنے کے لیے۔ پیش کیے گئے تھے۔ وہ محض ایک رنگین جال تھا۔ جو ایک خوش اعتقاد اور کم اندیش رئیس کو پھنسانے کے لیے پھیلایا گیا تھا۔ خیال کیجیے کہ اس شخص کا باطن کتنا تاریک کتنا گہرا اور اس

کی خیانت کتنی دور رس ہے! اپنے حریف کے ساتھ دغا کرنا کسی حد تک معافی کے قابل ہے۔ مگر اس شخص نے ان بے کسوں کے ساتھ دغا کی ہے۔ جن کے ساتھ بہبودی کرنا انسانی سرشت کا خاصہ ہے۔ کاش ہمارے ہاتھ میں اندراجات ہوتے۔ جو بیعانہ لکھانے کے وقت منشی صاحب ممدوح نے فرمائے تھے۔ تو عدالت پر ان کی سیہ باطنی روشن ہو جاتی مگر ان کا دفتر سے عین برخاستگی کے روز غائب ہو جانا بھی عدالت کے لیے کچھ کم یقین انگیز نہ ہونا چاہیے۔ ایسی رذالت کے بعد اس شخص کے نزدیک کوئی کام ناکردنی نہیں ہو سکتا۔

کئی روز تک شہر کی شہادتیں ہوئیں۔ مگر بیشتر سماعی تھیں۔ دو ایک صاحبوں نے چشم دید شہادت کا دعویٰ کیا۔ پر جرح میں اکھڑے ہوئے۔

آج کی کاروائی ختم ہو گئی۔ دوسرے دن پھر مقدمہ پیش ہوا۔

مخالف فریق کے وکیل صاحب نے جوابی تقریر کرنا شروع کی جس میں تضحیک کا پہلو غالب تھا۔ "یہ نرالی منطق ہے۔ کہ ایک دولت مند کا ملازم جو کچھ خریدے وہ اس کے آقا کی چیز ہے۔ اس دلیل کے مطابق ہماری گورنمنٹ کو اپنے ملازمین کی جائداد پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ یہ تسلیم کرنے میں ہم کو عذر نہیں کہ ایسی کثیر رقم ہماری دسترس سے باہر تھی۔ اور یہ رقم ہم نے اپنے آقا ہی سے قرض لی۔ مگر بجائے اس کے کہ ہم سے قرضہ کی وصولی کا تقاضا کیا جاتا۔ ہم سے وہ جائداد مانگی جاتی ہے۔ حساب کے کاغذات پیش کیے جائیں۔ تو وہ صاف بتلا دیں گے۔ کہ اب میرے ذمے بھان کنور کا ایک حبہ بھی باقی نہیں ہے۔ اگر میں آپ سے قرض لے کر اپنی شادی کر لوں تو کیا کل آپ مجھ سے میری بیوی کو چھین لینے کا دعویٰ کریں گے؟ ہمارے روشن

خیال دوست نے ہمارے اوپر بے کسوں اور یتیموں کے ساتھ دغا کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اگر منشی ست نرائن لال کی نیت فاسد ہوتی۔ تو اس کا بہترین موقع وہ تھا۔ جب اس کے آقائے نامدار کی وفات ہوئی تھی۔ اس طولانی انتظار کی کیا ضرورت تھی؟ اگر آپ شیر کو پھنسا کر اس کے بچے کو اسی وقت نہیں پکڑ لیتے بلکہ اسے بڑھنے اور خونخوار ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ تو مجھے آپ کے دماغ کے صحیح ہونے پر شبہ ہوگا۔ مگر شاید منشی ست نرائن لال کے رنگین جال میں کوئی ایسی کرامات ہو۔ جسے سمجھنے میں ہمارے عالم دوست قاصر ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ منشی جی نے حق نمک ادا کر دیا۔ آٹھ سال تک کمال دیانت سے کام انجام دیا۔ اور آج انہیں اپنی نیک نیتی کا ثمرہ جو مل رہا ہے۔ وہ نہایت درجہ دلدوز اور جگر خراش ہے۔ اس میں بھان کنور کی کوئی خطا نہیں۔ وہ ایک نیک خاتون ہیں۔ مگر اپنی صنف کی اعتقادی کمزوریوں سے خالی نہیں۔ دیانتدار آدمی خاصتہً صاف گو اور کم سخن ہوتا ہے۔ اسے باتوں میں نمک مرچ ملانے اور قند و شکر گھولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہی باعث ہے کہ پنڈت جی کی بیوہ پر شیریں بیان رقیبوں کو وار کرنے کا یہ موقع مل گیا۔ اس دعویٰ کی بنیاد صرف اتنی ہے، اور کچھ نہیں۔ بھان کنور یہاں موجود ہیں۔ کیا وہ کہہ سکتی ہیں۔ کہ اس آٹھ سال کے عرصہ میں کبھی اس موضع کا ذکر انہوں نے کیا۔ کبھی اس کے نفع نقصان، آمد و خرچ یا لین دین کا چرچا ان سے کیا گیا۔ میں گورنمنٹ کا ملازم ہوں۔ اگر میں آج دفتر میں آکر اپنے خانگی انتظامات کی داستانیں چھیڑ دوں۔ اپنے اخراجات کی زیادتی اور اپنے خدمت گار کی نیکیوں کا قصہ گانے لگوں۔ تو شاید مجھے بہت جلد اپنے عہدے سے سبکدوش ہونا پڑے۔

اور ممکن ہے کچھ دنوں بنارس کے شاندار مہمان خانہ میں رکھا جاؤں"۔

اس کے بعد متعدد شہادتیں پیش ہوئیں: بالخصوص قرب وجوار کے مواضعات کے لوگوں کی جنہوں نے بیان کیا کہ انہوں نے منشی ست نرائن لال کو اپنے دستخط سے رسیدیں دیتے اور اپنے ہی نام سے خزانہ میں روپیہ داخل کرتے دیکھا ہے۔ اس موضع کا دفتر اسی جگہ تھا۔ اس میں منشی جی کی سیر بھی ہوتی ہے۔ وغیرہ۔

اس کارروائی کے بعد شام ہوگئی۔ منصفِ عدالت نے کل فیصلہ سنانے کا وعدہ کیا۔

منشی ست نرائن کی فتح اب یقینی تھی۔ استغاثہ کی شہادتیں کمزور تھیں۔ بحث قیاسی دلیلوں پر مبنی۔ ان کے منصوبے اب پورے ہونے والے تھے۔ ان کا شمار بھی زمینداروں میں ہوگا۔ اور اپنی سعی و محنت سے بہت جلد وہ بھی رؤسا کے زمرہ میں شامل ہو سکیں گے۔ لیکن کسی نہ کسی وجہ سے وہ اب شہر کے شرفاء سے آنکھیں ملاتے شرماتے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی ان کا سر نیچا ہو جاتا تھا۔ اور وہ بازار میں نکلتے تو انہیں دیکھ کر اکثر دکاندار دل میں سرگوشیاں ہونے لگتیں۔ اور لوگ ان کی طرف بُری نگاہوں سے دیکھتے اس لئے وہ بازار سے سر جھکائے قدم بڑھائے بھاگ نکلتے تھے اب تک لوگ انہیں ایک سچا بے لوث اور پاک طینت آدمی سمجھتے تھے شہر کے معزز اور شریف لوگ انہیں اعزاز کی نگاہوں سے دیکھتے اور بڑی خاطر سے پیش آتے حالانکہ ابھی منشی جی کو آزمائش کا موقع نہیں ملا تھا۔ پر ان کا دل کہتا تھا کہ میری وہ بات نہیں رہی۔ اصل حقیقت سارے زمانہ پر روشن ہے۔ اور عدالت میرے حق میں فیصلہ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن میری ساکھ اب جاتی رہی دلوں سے میری عزت اُٹھ گئی۔ اب مجھے بھی لوگ خود غرض ریاکار مطلبی سمجھیں گے۔

غیروں کی تو بات الگ رہی۔ خود ان کے گھر والے ان کے شریک نہیں تھے۔ بوڑھی ماں نے تین دن سے منہ میں پانی نہیں ڈالا۔ اور بیوی بار بار ہاتھ جوڑ کر کہتی۔ کہ "اپنے بچوں پر رحم کرو۔ بُرے کام کا پھل کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ نہیں تو پہلے مجھی کو زہر دے دو"

فیصلہ کے دن صبح کو ایک کنجڑن سبزی لے کر آئی۔ منشائن سے بولی "بہوجی، ہم نے بجار میں ایک بات سُنی ہے۔ بُرا نہ مانو تو کہوں۔ جس کو دیکھو اس کے منہ میں یہی بات ہے کہ لالہ بابو نے جال ساجی سے پنڈتائن کا الاکالے لیا ہے۔ ہمیں تو اس پر اکین کبھی نہیں آتا۔ لالہ بابو نے سنبھالا ہوتا۔ تو اب تک پنڈتائن کی ایک اُنگل زمین نہ بچتی۔ انہیں کا ایسا جگرا تھا کہ سب کو سنبھال لیا تو اب کیا انہیں کے ساتھ بدی کرینگے؟ اے بہو! کوئی کچھ ساتھ لاتا ہے کہ لے جائے گا۔ یہی نیکی بدی رہ جاتی ہے بُرے کا پھل بُرا ہی ہوتا ہے۔ آدمی نہ دیکھے پر اللہ سب کچھ دیکھتا ہے"۔

بہوجی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے تو اس میں سما جاؤں۔ عورتوں میں عزت اور حیا بہت زیادہ ہوتی ہے۔ طعن و تشنیع کی برداشت اُن سے نہیں ہو سکتی سر جھکائے ہوئے بولی۔ "بوا میں ان باتوں کو کیا جانوں۔ میں نے تو یہ بات آج تمہارے منہ سے سُنی ہے۔ کون کونسی ترکاری ہے"؟

منشی ست نرائن لال بھی اپنے کمرے میں پڑے کنجڑن کی یہ باتیں سُن رہے تھے۔ اس کے چلے جانے کے بعد وہ بیوی کے پاس آکر پوچھنے لگے "یہ کیا کہہ رہی تھی۔؟"

بیوی نے شوہر کی طرف سے منہ پھیر کر زمین کی طرف تاکتے ہوئے کہا "کیا تم نے نہیں سُنا؟ تمہارے کرتب کا بکھان کر رہی تھی۔ تمہاری بدولت دیکھیں کس کس کے منہ سے یہ باتیں سُننا پڑتی ہیں۔ اور کس کس سے منہ چھپانا پڑتا ہے"۔

منشی جی اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ بیوی کی باتوں کا کچھ جواب نہ دیا۔ دل پر غیرت کا غلبہ ہو گیا۔ جس شخص کی نیک نیتی کی سارے شہر میں دھوم ہو، جو ہمیشہ غرور سے گردن اٹھا کر چلتا رہا ہو جو ہمیشہ اعزاز و احترام کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہو وہ کبھی زبان خلق سے بے پروا نہیں ہو سکتا۔ بدنامی کا خوف ہی بدنیتی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ منشی جی نے سمجھا تھا میں اس فعل کو ایسے خفیہ طریق سے کروں گا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ اور میرے اعتبار میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آئے گا ان کی یہ آرزو تو پوری نہ ہوئی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ان مشکلات کے دور کرنے میں انہیں چوری تک کرنا پڑی۔ لیکن یہ سب اسی بدنامی کے خوف سے جس میں کوئی یہ نہ کہے۔ کہ اپنی مالکہ کو دھوکا دیا۔ باوجود اس احتیاط کے وہ رسوائی کے تازیانے سے نہ بچ سکے۔ بازار کی سودا بیچنے والی عورتیں تک اب انہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں۔ پنجۂ نفس میں دبا ہوا ایمان اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکا منشی جی سوچنے لگے۔ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ مانا کہ میں صاحب جائداد ہو جاؤں گا۔ لیکن بدنامی میرے گلے کا ہار بنی رہے گی۔ عدالت کا فیصلہ مجھے ذلت سے نہ بچا سکے گا۔؟

ثروت کا نتیجہ ہے عزت اور وقار۔ جب یہی نہیں تو ثروت کس کام کی؟ اطمینان قلب کھو کر دنیا کی آنکھوں میں ذلیل بن کر۔ بے حیائی کا بوجھ سر پر رکھ کر اور اپنے گھر میں نفاق بو کر ثروت اور دولت میرے کس کام آئے گی؟ اور اگر سچ مچ مجھ پر قہر الٰہی نازل ہو۔ تو میرے لئے منہ میں کالک لگا کر گھر سے نکل جانے کے سوا اور کوئی علاج نہ ہو گا۔ نیک نیت

انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو لوگ اس کے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں سیہ کاروں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو لوگ اُسے طعنے دیتے ہیں۔ اس حالت میں ایشور بے انصاف ٹھہرایا جاتا ہے۔ لیکن اس حالت میں ایشور کے انصاف کی تعریف ہوتی ہے۔ پرماتما کسی طرح مجھے اس غار سے نکالو کیوں نہ جاکر میں بھان کنور کے پیروں پر گر پڑوں اور کہوں کہ مقدمہ اٹھا لیجئے۔ ہائے افسوس! پہلے مجھے یہ بات کیوں نہ سوجھی۔ اگر کل تک میں ان کے پاس چلا گیا ہوتا۔ تو سارے کا بن جاتے۔ پر اب کیا ہو سکتا ہے۔ آج تو فیصلہ کا دن ہے۔

منشی جی بہت دیر تک انہیں خیالات میں ڈوبے رہے۔ لیکن کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ کیا کرنا چاہیئے۔

بھان کنور کو یقین ہو گیا۔ کہ اب گاؤں ہاتھ سے جاتا ہے بیچاری ہاتھ مل کر رہ گئی۔ رات بھر اُسے نیند نہیں آئی۔ رہ رہ کر منشی ست نرائن لال پر غصہ آتا تھا۔ ظالم، ڈھول بجا کر میرا پچاس ہزار کا مال لئے جاتا ہے۔ اور میں کچھ نہیں کر سکتی۔ آجکل کے یہ انصاف کرنے والے بالکل آنکھ کے اندھے ہیں۔ جس بات کو سارا زمانہ جانتا ہے وہاں تک بھی اُن کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی۔ بس دوسروں کی آنکھ سے دیکھتے ہیں کورے کاغذوں کے غلام! انصاف کے معنی ہیں دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی۔ حق دار کو ملے۔ یہ نہیں کہ منصف صاحب خود ہی کاغذوں کے دھوکے میں آجائیں۔ اسی سے تو ایسے متقی حجلئے اور دغاباز آدمیوں

کی ہمتیں بڑھ گئی ہیں۔ لیکن خیر! گاؤں جاتا ہے تو جائے۔ تم تو کہیں شہر میں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔

اس خیال سے بھان کنور کو کچھ تسکین ہوئی۔ دشمن کا نقصان ہمیں اپنے فائدے سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ یہ انسانی خاصہ ہے تم ہمارا ایک گاؤں لے گئے۔ نارائن چاہیں گے تو تمہارے ہاتھ سے بھی یہ جلدی نکلے گا۔ خود نرک کی آگ میں جلو گے اور تمہارے بعد تمہارے گھر میں کوئی نام لیوا نہ رہ جائے گا۔

فیصلہ کا دن آگیا۔ آج اجلاس پر معمول سے زیادہ بھیڑ بھاڑ تھی۔ اس مقدمہ سے ہر خاص و عام کو دلچسپی تھی۔ ایسے مقطع لوگ نظر آتے تھے جو بگلوں کی طرح سرکاری تقریبوں کے چشمۂ شیریں کے کنارے ہی نظر آتے ہیں۔ مقدمہ اپنی نوعیت میں فرد تھا۔ وکیلوں۔ مختاروں کی کالی پلٹن کا ہجوم تماشائیوں سے کچھ ہی کم تھا عین مقررہ وقت پر جج صاحب اجلاس پر نمودار ہوئے۔ وسیع ہال میں سناٹا چھا گیا۔ لوگ ہمہ تن گوش و چشم ہو گئے۔

اہلمد نے صندوق سے تجویز نکالی۔ اشتیاق نے لوگوں کا ایک ایک قدم اور آگے کھسکا دیا۔

جج نے فیصلہ سنایا "مدعی کا دعویٰ خارج۔ فریقین اپنے اپنے مصارف کے ذمہ دار رہیں" ہر چند عام قیاس اس فیصلہ کی جانب مائل تھا۔ تاہم آج جج کی زبان سے سن کر سارے مجمع میں ہلچل پڑ گئی

جو اندیشہ تھا وہ واقعہ ثابت ہوا۔ مایوسانہ انداز سے سرگوشیاں کرتے ہوئے لوگ عدالت سے باہر نکلنے لگے۔

دفعتہً بھان کنور گھونگٹ نکالے اجلاس پر آکر کھڑی ہوئی۔ جانے والے لوٹ پڑے۔ جو باہر نکل گئے تھے۔ پھر لپک کر آگئے ساری جماعت دم بخود ہو کر بھان کنور کی طرف تاکنے لگی مایک ساحر تھا۔ جس نے اُنگلی کے اشارے سے ساری جماعت پر منتر ڈال دیا تھا۔

بھان کنور نے جج صاحب سے کانپتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "سرکار کا حکم ہو تو میں ست نرائن لال سے کچھ پوچھوں؟"

یہ ایک بے ضابطہ بات تھی۔ تاہم جج نے ازراہِ انسانیت اس کی اجازت دے دی۔ تب بھان کنور نے ست نرائن لال کی طرف دیکھ کر کہا۔ "لالہ جی! سرکار نے تمہاری ڈگری ڈگری تو کرا ہی دی گاؤں تمہیں مبارک ہے۔ مگر ایمان آدمی کا سب کچھ ہے۔ ایمان سے کہہ دو گاؤں کس کا ہے؟"

یہ سوال سُن کر ہزاروں آدمی منشی جی کی طرف حیرت آمیز۔ استفسار کی نگاہوں سے تاکنے لگے۔ منشی جی دریائے فکر میں ڈوبے دل میں نفس اور ایمان کے داؤ پیچ ہونے لگے ہزاروں آدمیوں کی آنکھیں ان کی طرف جمی ہوئی تھیں اصل واقعہ کسی سے پوشیدہ نہ تھا اتنے آدمیوں کے رُوبرو جھوٹی بات زبان سے نہ نکل سکی